لُبِّ لُباب

عقلِ خالِص

2:269. يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۔

علّامہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی

لُبِّ لُباب

یعنی

عقلِ خالص

یکے از تصنیفاتِ

علّامہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

خانۂ حکمت، ادارۂ عارف

۳-اے، نور ویلا - ۲۶۹-گارڈن ویسٹ

کراچی -۳ (پاکستان)

سرآغاز

۱۔بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔ اِنّ اللّٰہَ وَ ملٰٓئِکتَہٗ یُصلّون علی النّبیّ ط یآیّھا الّذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما (۳۳/۵۶) اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وّ اٰلِ محمّد۔

پروردگارِ عالم کی عنایتِ بے نہایت، نُورِ مُنزل کی بابرکت تائید و ہدایت اور مومنینِ بایقین کی خالص دعا و مناجات سے یہ ایک اور بے حد لذیذ نعمت حاصل ہوئی، آپ باور کرینگے کہ جتنی علمی نعمتیں میسّر ہوئی ہیں، وہ سب کی سب اسی نورِ مجسّم کی نورانی ہدایت کی کرامات ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں فخر و ناشکری کی بیماری سے محفوظ رکھے! آمین!

۲۔قرآنِ حکیم ہدایتِ سماوی کا بیمثال سرچشمہ اور حقائق و معارف کا بے پایان خزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی امراض کے لیے ربّانی شفاخانہ بھی ہے، اس کے لاہوتی نسخے بدرجۂ انتہا مؤثر اور زبردست شفابخش ہیں، مثلاً قرآنِ پاک کا یہ نرالا طریقِ علاج کتنا عالیشان اور حیران کن ہے کہ وہ بار بار آدمی کو اپنی زندگی

کے ابتدائی مراحل یاد دلا کر اس کی بنیادی کمزوریوں کو من وعن بیان کرنا ہے تاکہ کوئی بھی مومن موجودہ کسی ترقی کی وجہ سے فخر کی بیماری میں مبتلا نہ ہو جائے، اور رب العزّت کے ہر احسان و انعام کا دل و جان سے شکر کرلیا کرے، پس ہم سب پر واجب ہے کہ اپنے اُس ماضی کو بھول نہ جائیں، جس میں ہم ہر اعتبار سے حقیر، مفلس، خام اور ناتمام تھے، تاکہ حسبِ منشائے قرآن ہم عاجزی، رِقتِ قلبی اور محوّیت و فنائیت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۲۔ یہ مقالہ یاکتابچہ عقل و دانش کی خاص اہمیت کے بارے میں تحریر ہوا ہے، کیونکہ عقل و خرد اور علم و معرفت ایسی بے مثال شئے ہے کہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں کوئی بھی دوسری بہتر سے بہتر چیز اس خلا کو پُر نہیں کرسکتی ہے، خواہ وہ سجدہ، نماز اور تسبیح کیوں نہ ہو، یہ بات خیالی اور فرضی ہرگز نہیں بلکہ یہ قرآنِ پاک کی روشن ترین حقیقتوں میں سے ہے، وہ اس طرح کہ آسمانوں اور زمین کی ان بے شمار مخلوقات کے لیے بہشت کا کوئی وعدہ ہی نہیں جو بے جان اور بے عقل ہیں، اور چوپائے جیسے انسان بھی ان میں داخل اور شامل ہیں (۷۹/۱۷۹)، حالانکہ ہر مخلوق اور ہر چیز معبودِ برحق کے لیے سربسجود ہوتی رہتی ہے (۱۳/۱۵، ۱۶/۴۹، ۲۲/۱۸) تمام مخلوقات اور انس و جن اس کی تسبیح کرلیا کرتے ہیں، اور سبھی اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتے ہیں (۲۴/۴۱) پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں

پر عذاب لازم ہو چکا ہے (۲۲/۱۸)؟ اس کا تسلّی بخش جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے، ارشاد ہے: وقالوا لوکنّا نسمع او نعقل ماکنّا فی اصحٰب السّعیر (۶۷/۱۰) اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سُنتے یا سمجھتے تب تو (آج) دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ اس حکمِ الٰہی سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی عقل کا نہ ہونا ہی سب سے بڑا عذاب ہے، اور یہی آتشِ جہالت و نادانی ہے، یعنی عقلی عذاب۔

۴۔ جاننا چاہیے کہ عقل و دانش کا ربّانی سانچا قرآنی حکمت ہے، اور دانائی کی کسوٹی بھی یہی ہے اور یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قرآنِ حکیم کی تمام تر حکمتیں اس کے باطن میں پوشیدہ ہیں، جیسا کہ حدیثِ شریف میں ہے: اِنَّ لِلقرآنِ ظَھرًا وَّبَطنًا وَّلِبَطنِہٖ بَطنًا اِلٰی سَبعَۃِ اَبطُنٍ اَو اِلٰی سَبعِینَ بَطنًا[۱]۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور اس کے باطن کا بھی باطن ہے (یہ سلسلہ سات بواطن تک یا ستّر بواطن تک چلتا ہے) پس اللہ اور اس کے رسولِ اکرمؐ نے امامِ عالیمقامؑ کو مقرر فرمایا، تاکہ وہ اہلِ ایمان کو قرآنی حکمت اور روحانیت کا فیض پہنچاتا رہے۔

۵۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کا مبارک ارشاد ہے:
لیس بین اللہ و بین حجّتہٖ حجابٌ، ولا لِلّٰہِ دون حجّتہٖ سترٌ، نحن ابواب اللہ و نحن الصّراط المستقیم و نحن عَیبَۃُ علمہٖ و نحن ترجمۃ وحیہٖ و نحن ارکان توحیدہٖ و نحن موضع

[۱] الحدیث، بحوالۂ المیزان فی تفسیر القرآن، جلدِ اوّل، ص ۷

سترہ ۔ خدا اور اس کے حجت کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں، اور نہ اپنے حجت کے سوا اللہ کا کوئی پردہ ہے، ہم (ائمہؑ) ہی خدا کے دروازے ہیں اور ہم ہی راہِ راست ہیں اور ہم اس کے علم کا صندوق ہیں اور ہم ہی اس کی وحی (اشارات) کا ترجمہ ہیں اور ہم اس کی توحید کے ارکان ہیں اور ہم ہی اس کے بھید رکھنے کی جگہ (یعنی گنجِ اسرار) ہیں۔ (المیزان فی تفسیر القرآن، جلد اوّل، ص ۱۴۱) امامِ اقدس و اطہرؑ کے اس بابرکت ارشاد سے یہ حقیقت مثلِ آفتابِ عالمتاب روشن ہو جاتی ہے کہ امامِ زمانؑ ایسے ہی مرتبے میں مُعلّمِ قرآن اور مُربّیٔ عقل و خرد ہیں۔

۶۔ خداوندِ قدّوس کی رحمت، مہربانی، دستگیری اور توفیق سے یہ مقالہ لکھا گیا، اور اس کا نام "لُبِّ لُباب" مقرر ہُوا، کیونکہ اس کتابچے میں جس حقیقت کا ذکر ہوا ہے، وہ لُبِّ لُباب ہے، یعنی خلاصے کا خلاصہ، عِطر کا عِطر، ست کا ست، بمعنیٔ عقلِ خالص اور عقلِ کامل یا عقلِ کُل، کیونکہ جوہرِ محض وہی ہے، چنانچہ اس بندۂ خاکسار کا خیال ہے کہ تذکرۂ عقل اور متعلقہ اسرارِ قرآن و روحانیت کے انکشاف کی وجہ سے اس کتابچے کی بڑی اہمیت ہو سکتی ہے (ان شاء اللہ)۔

۷۔ ہمارے جلیل القدر بزرگانِ دین نے اپنی پُرمغز و گرانمایہ کتابوں میں جس حیرت انگیز تبحرِ علمی سے موضوعِ عقل کو زیرِ بحث

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science

لایا ہے، اور اس پر جس بصیرت سے آفاق وانفس کے مستحکم دلائل و براہین کی روشنی ڈالی ہے، اس کی مثال ونظیر دنیائے علم وادب میں نہیں ملتی، لیکن بڑی حسرت کی بات تو یہ ہے کہ ان خزائنِ علمی میں سے بعض مفقود ہیں، بعض نایاب اور اگر کوئی ایسی انمول کتاب مل بھی جائے، تو عربی یا فارسی میں ہونے کی وجہ سے اکثر شائقین اس کے فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں، لہٰذا ایسے موضوعات پر لکھنے کی شدید ضرورت ہے۔

۸۔ **سوال :** آج سے تقریباً بیس سال قبل ایک مومنِ مخلص نے بغرضِ معلومات یہ پوچھا کہ آیا روحانی مشاہدات وتجربات کی بعض باتیں دوسروں کے فائدے کی خاطر ظاہر کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ میں نے بڑی عاجزی سے گزارش کی کہ اس کی دو مختلف صورتیں ہیں، اوّل یہ کہ جب تک کسی کے پاس ظاہری اور روحانی علم نہ ہو، تو اسے کچّی پکّی روحانیت کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں، اس پر سخت پابندی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی مومن نے خدا ورسولؐ اور امامِ وقتؑ کی اطاعت وفرمانبرداری کی بدولت اتنی روحانی اور علمی ترقی کی ہو کہ اب اس کا نہ بولنا اور خاموش رہنا قرآنِ پاک کی نظر (۱۴۰/۲) میں بڑا ظلم قرار پا رہا ہے، تو وہ ایک ایسی بڑی گواہی کو کیسے چھپا سکتا ہے، جو خدا کی طرف سے ہے، اور قرآن وحدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہارے پاس حق بات ہے تو اسے بیان کرو، مت

چھپایا کرو (۲۴۴/۲ ، ۱۷۱/۳ ، ۴۴۷/۴)، قولوا الحقّ ولو علیٰ انفسکم۔ الحدیث)

۹۔ ہر مومن کو یہ جاننا ازبس ضروری ہے کہ علم الیقین کیا ہے؟ اور اس کے ہونے سے کیا کیا فائدے حاصل ہو سکتے ہیں؟ اس بارے میں عرض ہے کہ جس علم میں یقین کی روشنی موجود ہو، اور جس سے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہو، وہ علم الیقین ہی ہے، جو مرتبۂ عین الیقین سے منتقل ہو کر یہاں آتا رہتا ہے، یعنی روحانی علم، یا علمِ لدُنّی، دوسرے الفاظ میں حکمت، یا معرفت یا تأویل اور حقیقی علم، اس باب میں قرآنِ حکیم کا ایک مفہوم یہ ہے: اگر تمہارے پاس یقینی علم ہوتا تو تم (دُنیا ہی میں) دوزخ کو دیکھ سکتے (۱۰۲/۵-۶) علم الیقین کی روشنی میں دوزخ کا مشاہدہ اس لیے ہو سکتا ہے کہ علم دنیا میں بحدِّ قوّت بہشت ہے، اور جہل (جہالت) بحدِ قوّت جہنم، پس علم کی نظر میں جہالت جہاں بھی ہو، پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے، پھر عین الیقین سے بحدِّ فعل دوزخِ نادانی کو دیکھنا اس سے الگ ہے (۱۰۲/۷)۔

۱۰۔ حقیقی زندگی اور عقل کی فوقیّت و فضیلت کے بارے میں آفاق کی روشن دلیل یہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں بمقتضائے عقل و حکمت ایک خاص ترتیب اور ایک حکیمانہ درجہ بندی کے مطابق رکھی ہوئی ہیں، جس میں سب سے نیچے جمادات اس لیے ہیں کہ وہ بیجان ہیں، ان پر نباتات کو برتری حاصل ہے، کیونکہ

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ان میں روحِ نامیہ (روحِ نباتی) کارفرما ہے، نبات سے حیوان برتر ہے، کیونکہ اس میں اگرچہ عقل تو نہیں، لیکن وہ روحِ حیوانی کی وجہ سے حس وحرکت کے قابل ہوگیا ہے، حیوانات پر انسان عقلِ جزوی کے سبب سے بادشاہ ہوگیا ہے، تاہم یہ آخری بات نہیں، کیونکہ انسانوں کے بھی بہت سے طبقات ہیں، جن میں ہر اوپر کا طبقہ عقل ودانش کی بنا پر اپنے ماتحت طبقے پر بادشاہ ہوا کرتا ہے، اور یہ دنیوی عقل کی مثال ہے، پس وہ جملہ مومنین جو دینی عقل کی تکمیل کے لیے علم وعمل سے سعی کر رہے ہیں، وہ ان شاءاللہ عوالمِ شخصی میں بادشاہ ہوں گے، کیونکہ بہشت کی خاص نعمتیں جو غیر فانی ہیں، وہ وہاں کی لازوال سلطنت میں ہیں (۷۶/۲۰، ۵/۲۰، ۴/۵۴، ۶۷/۱)۔

۱۱۔ اے برادرانِ دینی! آپ سب حقیقی علم کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دیں، کیونکہ علم ہی عقل کی روشنی اور اس کا فعل ہے، جیسے سورج اور اس کی روشنی، یعنی عقل سرچشمہ اور نورِ مجتمع ہے، اور علم نورِ منتشر، یا یوں سمجھ لیں کہ عقل خزانۂ دُرَر (دُرّ کی جمع) ہے اور علم اس میں سے بکھرے ہُوئے موتیوں (دُرِّ منثور) کی صورت ہے، یا علم ایک بیحد حسین گلشن ہے، اور عقل ایسے ہی پھولوں کا عطر، یا علم انسانی زندگی جیسا ہے، جو خون کے ساتھ سارے بدن میں دوڑ رہی ہے، اور عقل مرکزِ حیات

یعنی دل کی طرح ہے، ایک اور مثال کے مطابق عقل صاف وشفاف پانی کا چشمہ ہے اور علم اس کی نہروں کا پانی ہے، جس سے ایک بڑی بستی آباد و سرسبز ہوگئی ہے، پس عقل اور علم کی بہت سی مثالیں اور بہت سے نام ہیں، جن کے جاننے سے بڑی بڑی حکمتوں کی کلیدیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی۔ کراچی
ہفتہ ۷، شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
۲۳، فروری ۱۹۹۱ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اسمائے عقل کی حکمتیں

قسط :۔۔۔ ۱

عقل کے کثیر ناموں اور بہت سی مثالوں میں خزائنِ حکمت پوشیدہ ہیں، لہٰذا یہ امر ازبس ضروری ہے کہ اس کے بعض قرآنی اسماء کا انکشاف کیا جائے، اس بارے میں سب سے پہلے اُس حدیثِ شریف کا بغور مطالعہ کرنا لازمی اور لابُدی ہے، جو ابداعِ عقل کے باب میں مروی ہے، چنانچہ حضرتِ امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو وہ بحکمِ خدا بولنے لگی، پھر خدا نے اسے فرمایا: آگے آ، تو وہ آگے آئی، پھر اسے فرمایا: پیچھے جا، تو وہ پیچھے گئی، پھر ارشاد ہوا: میری عزّت و جلالت کی قسم! کہ میں نے کوئی ایسی خلق پیدا نہیں کیا ہے، جو تیرے مقابلے میں مجھ کو زیادہ محبوب ہو، اور بات یہ ہے کہ میں تجھ کو صرف ایسے شخص میں کامل اور مکمّل کر دیتا ہوں، جس سے میں محبّت کرتا ہوں، ہاں میرے امر و نہی کا خطاب ہمیشہ تجھ ہی سے ہوتا رہے گا، اور عذاب و ثواب کا تعلق بھی تجھ ہی سے ہوگا (ارشادِ نبویؐ کے عربی الفاظ "میوۂ بہشت" ص ۱۴ پر درج ہیں)۔

اِس پُرحکمت اور بابرکت ارشاد میں کُنُوزِ حقائق و معارف کی کلیدیں مخفی ہیں، مثال کے طور پر پہلی کلید: خوب غور سے دیکھیں کہ اس میں صرف اور صرف عالمِ شخصی ہی میں عقل کے ظہور و کمال کا مذکور ہے، اور یہاں ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ انسانِ کامل سے باہر عقل پیدا کی گئی ہو، اور عالمِ صغیر کے بغیر مکمل ہوئی ہو۔ دوسری کلید: خدا کی طرف کسی مخلوق کا آگے آنا عروج ہے، اور پیچھے جانا نزول، جیسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ میں معراج پر جانے اور واپس تشریف لانے کی مثال موجود ہے۔ تیسری کلید: خدا نہ صرف عقل ہی کو محبوب رکھتا ہے، بلکہ ہر صاحبِ عقل بھی اس کو محبوب ہے، پس یقیناً عقل اور محبّت دونوں لازم و ملزوم ہیں، یا یوں کہنا چاہیئے کہ اللہ کی طرف سے محبّت ایک نور ہے، اور عقل بھی نور ہے، لہٰذا ان دونوں کی وحدت ہے۔ چوتھی کلید: پروردگارِ عالم کے امر و نہی پر عمل عقل و دانش کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ پانچویں کلید: عذاب و ثواب کا تعلق عقل سے ہونا اس طرح ہے کہ جہالت و نادانی ہی عذابِ دوزخ ہے، اور علم و معرفت ہی نعیمِ بہشت۔

خوب یاد رہے کہ حقیقی محبّت یک طرفہ نہیں ہوا کرتی، بلکہ جانبین میں ہو جاتی ہے، یعنی ربّ العزّت اپنے جن خاص بندوں کو محبوب رکھتا ہے، ان میں عشقِ الٰہی پیدا ہوتا ہے (۵/۵۴) اور اسی میں وہ عقل بھی ہے، جس کا بیان ہو رہا ہے، اب اس کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہوا کہ

قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں علم و حکمت اور رشد و ہدایت کا ذکر آیا ہے، وہاں لازماً مخفی مخفی آسمانی محبّت کا تذکرہ بھی موجود ہے، کیونکہ یہاں مذکورہ حدیثِ شریف کی روشنی میں یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ حقیقی محبّت کے بغیر عقل و دانش کی کوئی تمامیّت و کمالیّت نہیں ہو سکتی، اب ذیل میں خداوندِ قدّوس کی یاری اور دستگیری سے اسمائے عقل کی بعض حکمتیں اُجاگر کرنے کے لیے سعی کی جاتی ہے:۔

حمد، مقامِ محمود: حمد اور مقامِ محمود عقل کے ناموں میں سے ہیں، یعنی عقلِ کُل، جو خداوندِ تعالیٰ کی تعریف کا وسیلہ ہے، عقل کے اسی پُرحکمت نام سے اُمّ الکتاب کا آغاز ہوتا ہے، اور ارشادِ ربّانی ہے: الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین، یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی تعریف ہے کہ وہ عقلِ کُلّ کی حکیمانہ غذاؤں اور پاک محبّتوں سے عوالمِ شخصی کی تربیت و پرورش کرتا ہے، تاکہ مومنین فنا فی الامام، فنا فی الرّسول، اور فنا فی اللہ ہو کر مقامِ محمود کے عقلی معجزات کا مشاہدہ کر سکیں، اور وہ عالمِ شخصی میں ہے، جس کی تعریف خود ذاتِ سبحان نے کی ہے (۱۷/۷۹)۔

شجرۂ طیّبہ: پاک درخت (۱۴/۲۴) یعنی سلسلۂ امامت، جو مظہرِ عقلِ کُلّ ہے، اس پاک و پاکیزہ درخت کی جڑ حضورِ اکرم صلعم کی ذاتِ عالی صفات ہے، جو زمینِ دین میں مضبوط ہے اور شاخ امامِ وقتؑ کا نورِ اقدس ہے، جو آسمانِ روحانیت کی بلندی پر گوہرِ عقل کا

کام کر رہا ہے، اور ربّ کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے (۱۴/۲۵) پس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ نکتہ یاد رہے کہ عقل کے دو مقام ہیں: عالمِ ظاہر اور عالمِ باطن۔

نورِ ازل : جب عرفاء کے عالمِ شخصی میں نورِ عقل طلوع ہو جاتا ہے تو یہی نورِ ازل ہے، ازل کو انتہائی بعید کا ماضی سمجھنا درست نہیں، کیونکہ وہ لامکان کا "دھر" ہے، یعنی عالمِ روحانی کا نہ گزرنے والا زمان، چنانچہ وہ ازل بھی ہے اور ابد بھی۔

قلم : قلم عقل کا نام ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: الّذی علّم بالقلم (۹۶/۴) جس نے قلم (یعنی عقل) کے ذریعہ سے تعلیم دی۔ علّم الانسان مالم یعلم (۹۶/۵) اسی نے انسان کو وہ علم سکھایا جس کو وہ کچھ جانتا ہی نہ تھا۔ اب اگر اس قلم کو مذکورہ تاویل کے بغیر کلکِ ظاہر مان لیا جائے تو اس حال میں ربّانی اور روحانی تعلیم کا رُخ ہمہ وقت اقوامِ عالم کی اُس اکثریت کی طرف ہو کر رہے گا، جس کے ہاتھ میں بسا اوقات قلم ہوتا ہے، اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو اکثر اَن پڑھ تھے، تعلیمِ خداوندی سے بے نصیب رہ جائیں گے، مگر یہ بات درست نہیں، لہٰذا حقیقت یہی ہے کہ قلمِ الٰہی عقلِ کُل ہے، جس سے خدا نے ہر انسانِ کامل کو "علم الاسرار" کی تعلیم دی۔

عرش : عرش سے نورِ عقل مراد ہے، حاملانِ عرش (۴۰/۷) أئمّۂ طاہرین علیہم السّلام ہیں اور قیامت کے دن حَمَلَۃِ

العرش آٹھ ہوں گے (۶۹/۱۷) یعنی سلسلۂ نور کے ہر امامِ ہفتم کے عالمِ شخصی میں قیامت برپا ہوتی ہے، پھر امامِ ہشتم نورِ عقل کا حامل ہوتا ہے، اسی طرح یکے بعد دیگرے عرش اٹھانے والے آٹھ ہو گئے۔

آدمِ معنیٰ : بہت سے آدموں میں سے ایک آدم عقلِ کُل ہے اور نفسِ کُل حوا ہے ان کا بہشت سے دنیا میں اُتر آنا مظاہر کے معنی میں ہے، جس طرح آپ کہتے ہیں کہ سورج نکل آیا، یعنی طلوع ہو گیا، اور کہتے ہیں کہ سورج ڈوب گیا، آپ کا یہ کہنا غلط نہیں، جبکہ اس کے برعکس یہ بات زیادہ صحیح ہے کہ آفتاب اپنی جگہ پر قائم ہی ہے، وہ نہ طلوع ہوا، اور نہ غروب، چنانچہ بہشت ایسا مقام نہیں، جس کے درمیان سے کوئی باہر نکل آتا ہو، مگر یہ ہے کہ انتہائی ارتقاء کے بعد کسی عظیم روح کے لیے دنیا میں کوئی مظہر قرار پاتا ہے۔

حجرِ مکرّم : یعنی بزرگ پتھر، جس سے بارہ چشمے جاری ہوئے (۶۰/۲) جس سے گوہرِ عقل مراد ہے، جس کا علم بارہ درجات میں رواں ہے، اس کا مظہر عالمِ جسمانی میں امامِ زمان علیہ السّلام ہے جو ہر وقت بارہ حجتوں کو علم دیتا رہتا ہے، لیکن یہ ضروری بات یاد رہے کہ امامِ عالیمقامؑ کسی کو روحانی علم کے پانی پینے پر مجبور تو نہیں کرتا، جب تک کوئی مومن اپنے آپ میں شدید پیاس پیدا نہ

کرے، اور استسقا یعنی پانی طلب نہ کرے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال میں یہ ہے کہ خدا اور اس کے نبی کو یہ حال روشن تھا کہ بنی اسرائیل کو پانی کی شدید ضرورت ہے لیکن پانی کا معجزہ صرف اس وقت ظہور پذیر ہوا، جبکہ پیاسوں نے اپنے پیغمبر سے پانی مانگا اور پیغمبر نے اللہ کے حضور دعا کی (۷/۱۶۰)۔

طُور، جبل : طُور اور جبل کُوہِ عقل ہے، قرآنِ حکیم میں پہاڑوں سے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے، اس میں کُوہِ عقل کے اسرار پنہان ہیں، جیسے ربِّ جلیل نے حضرتِ موسیٰؑ کے سامنے مجموعۂ اسرارِ ازل کے پہاڑ پر جب اپنی تجلّی ڈالی، تو اس کے لاتعداد بھیدوں کے موتی بتدریج ایک ایک ہو کر کلیم اللہ کے ذہن وخاطر میں آنے لگے، یہ تجلّیٔ کوہِ عقل کی آفاقی اور ہمہ رس برکت اور بقائے علمی کی مثال ہے۔

مَولُودِ نورانی : عقل اپنی بہت سی مثالوں کے سلسلے میں مولودِ نورانی (پُر نور فرزند) بھی ہے، اس لیے کہ وہ جامع الامثال بھی ہے، اور مجموعۂ حقائق و معارف بھی، چنانچہ عارفین کے عالمِ شخصی میں نورانی فرزند اس وقت پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ نورِ عقل طلوع ہو جاتا ہے، جیسا کہ سورۂ رعد (۱۳/۳۸) میں یہ کُلّیّہ موجود ہے کہ ہر پیغمبر کی بیوی اور ذُرّیّت تھی، لیکن ظاہر میں دیکھا جائے تو حضرتِ یحییٰؑ (۳/۳۹) اور حضرتِ عیسیٰؑ کی اولاد کہاں سے ہو سکتی،

جبکہ انہوں نے شادی کرنے سے ہی گریز فرمایا تھا، اس سے ظاہر ہوا کہ مذکورہ کلیہ میں حضراتِ انبیاءؑ کی جن بیویوں اور ذرّیات کا ذکر ہوا ہے، وہ روحانی ہیں، اگر آپ اس کے ساتھ ساتھ کتابِ وجہِ دین میں گفتار یا کلام ۴۶ (نکاح وسفاح) کو بھی پڑھیں، تو بہتر ہوگا۔

قبض و بسط : یہ سرِّ اعظم بڑا عجیب وغریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کائناتِ عقل کو ہمیشہ لپیٹتا اور پھیلاتا رہتا ہے، اور اس فعلِ خدائی کی نہ تو کوئی ابتدا ہی ہے، اور نہ ہی کوئی انتہا، یہ بہت بڑا راز بیانِ رزق و روزی کے حجاب میں پوشیدہ ہے، آیۂ کریمہ کا وہ پُراز حکمت ٹکڑا یہ ہے: وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَیَبۡصُۜطُ (اور خدا اپنی مٹھی میں لیتا ہے اور پھیلاتا ہے (۲/۲۴۵) پس یہاں سے "قبض وبسط" عقل کے دو نام ہوئے۔

مَطْوِیّات : مَطْوِیّات کے معنی ہیں لپیٹی ہوئیں، یعنی روزِ قیامت خداوندِ عالم سارے آسمانوں کو دستِ قدرت میں لپیٹ کر وہی لُولُوئے مکنون بنا دیتا ہے، یعنی دُرِّ عقل، جس کو وہ (عَزَّ اِسْمُہٗ) پھیلا کر کائنات بناتا ہے، پس لپیٹی ہوئی کائنات سے عقل مراد ہے (۳۹/۶۷) کیونکہ اس میں جملہ عقلی نعمتیں یکجا اور جمع ہیں۔

وادیٔ طُوٰی : وَادٍ : پانی بہنے کی جگہ، یعنی سرچشمۂ عقل،

جہاں سے آبِ علم جاری ہوتا ہے، دو پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی، عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کے اِتصّال کا مقام، طُویٰ: لپیٹی ہوئی چیز، کیونکہ مرتبۂ عقل وہ منزلِ مقصود ہے، جس میں پہنچ جانے سے روحانی سفر کی ساری دُوریاں اور مسافتیں سمٹ جاتی ہیں (۲۰/۱۲)۔

وادیٔ اَیمَن: اس کے معنی ہیں: بہت برکت والی وادی نیز داہنی طرف کی وادی، کیونکہ کوہِ عقل میں بے شمار برکتیں ہیں، اور اس کی سعی یعنی دوڑ (۵۷/۱۲) آگے اور داہنی طرف کو ہے، یہاں یہ نکتۂ دلپذیر بھی یاد رہے کہ عالمِ علوی میں خدا کے دستِ راست عقلِ کُلّ اور دستِ چپ نفسِ کُلّ ہیں، اور عالمِ ظاہر میں ناطق و اساس کو یہی درجہ حاصل ہے، وادیٔ مقدّسِ طویٰ: (۲۰/۱۲، ۷۹/۱۶) وادیٔ اَیمن: (۳۰/۲۸)۔

سراجِ منیر: یعنی چراغِ روشن، جو سرورِ انبیاء و رُسل صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نورِ اقدس ہے اور یہی خود نورِ عقل بھی ہے، اور قلمِ الٰہی بھی، اگرچہ مظاہر میں نور کی کثرت نظر آتی ہے، لیکن جوہرِ عین میں نورِ مطلق ایک ہی ہے، چنانچہ حضورِ اقدس و اطہر صلعم عالمِ بالا میں نورِ مجرّد ہیں، اور عالمِ ظاہر میں نورِ مجسّم، اور تمام انبیاء و ائمہ علیہم السّلام آپؐ کے نمائندے ہیں، پروردگار کی طرف سے جو عظیم الشّان اور رفیع المرتبت ہستی تمام جہانوں کے لیے رحمتِ کُلّ بنائی گئی ہے، اس کے معنی ہی یہی ہیں کہ آنحضرتؐ

سب سے پہلے حضراتِ انبیاء واُئمہ علیہم السّلام کے عوالمِ شخصی کے لیے رحمت ہیں، اور ان کے توسط سے یہ رحمتِ خداوندی ہر زمانے میں پائی جاتی ہے۔

مُلک و مَلکوت : حقیقی بادشاہی (۴/۵۴) اور عالمِ روحانی (۳۶/۸۳) جو سرچشمۂ عقل کے القاب میں سے ہیں، ہر عالمِ شخصی میں خدا کی ایک سلطنت موجود ہے، وہی آسمان و زمین اور ہر چیز کا مَلکوت بھی ہے (۲/۲۴۷، ۷/۱۸۵) اور خدا یہ سب کچھ انسان کو عطا کر دینا چاہتا ہے، مگر اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ مظہرِ نورِ عقل کی اطاعت کی جائے، وہ آلِ ابراہیمؑ اور آلِ محمدؐ کے سلسلے سے امامِ زمانؑ ہیں۔

عِلِّیِّیُن، عِلِّیُّوُن : یہ راز قرآنِ حکیم کے انتہائی عظیم بھیدوں میں سے ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، ناطق اور اساس کو عِلّیّین یا عِلّیّون کا نام دے کر عالمِ عُلوی کی بلندی پر رکھا ہے، وہ چار انتہائی عظیم فرشتے ہیں، جو عالمِ وحدت میں ہونے کی وجہ سے ایک ہی میں چاروں ہیں، صرف یہی معجزہ نہیں بلکہ وہ بذاتِ خود ایک زندہ کتاب بھی ہیں، جس میں نیک لوگوں کا نامۂ اعمال بول رہا ہے اور اللہ نے اپنی رحمت سے یہ امر مقربین کیلئے ممکن بنا دیا ہے، کہ وہ اس کتاب کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ کریں (۸۳/۱۸-۲۱) ان مُحوّلہ آیات کا حکیمانہ اشارہ یہ ہے کہ جو مومنین

زندگی ہی میں فنا ہو جاتے ہیں جیساکہ اس کا حق ہے، وہ نہ صرف اپنے نامۂ اعمال ہی کو کتابِ مرقوم (۸۳/۲۰) میں دیکھ سکتے ہیں بلکہ اپنی انائے عُلوی کو بھی اس بولتی کتاب کی وحدت وسالمیت میں پاتے ہیں۔

مثالِ برترین : خدائے علیم وحکیم نے اپنے خاص بندوں کو علم وحکمت سکھانے کے لیے ایک انتہائی جامع الجوامع مثال بنا دی ہے، جو آسمانوں میں بھی ہے، اور زمین پر بھی، وہ وہاں عقل ہے اور یہاں مظہرِ عقل (۳۰/۲۷) اور یہ بات ایک یقینی حقیقت ہے کہ تمام کائنات و موجودات کی تمثیلات و تشبیہات اور رموز واشارات پر وہ بادشاہ ہے، اور وہی نورِ قرآن ہے، یعنی قلمِ عقل، پس ہر مثال کے باطن میں اسی کی علمی تجلّیات میں سے ایک تجلّی ہے، خواہ یہ مثال کتابِ سماوی میں ہو، یا آفاق و انفس میں، اسی کی حکمت ہر چیز میں پوشیدہ ہے اور اسی کی طرف ہر شے رجوع کر جاتی ہے۔

صندوقِ سکینہ : یعنی ایسا صندوق، جس میں اطمینان بخش چیزیں ہیں، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تسکین کس نوعیت کی ہو سکتی ہے؟ کیا یہ صندوق صرف بنی اسرائیل کے لیے محدود تھا؟ یا یہ ایک دائمی اور عقلی معجزہ ہے؟ آیا کوئی عام مادّی چیز امام طالوتؑ کی روحانی سلطنت کی نشانی اور دلیل ہو سکتی تھی؟ اِس

کا جواب یوں ہے: صندوقِ سکینہ پہلے مراحلِ روحانیت میں ہے، اور اس کے بعد منازلِ عقلانیت میں، لہٰذا یہ اطمینان جسمانی نہیں، بلکہ روحانی اور عقلانی ہے، یہ صندوقِ جواہرِ عقل ہے (۲/۲۴۸) اس لیے یہ نورِ امامت کا دائمی عقلی معجزہ ہے، یہ بات خوب دلنشین ہو کہ مجموعی طور پر پیغمبروں کے معجزات ظاہر میں ہوتے ہیں، اور اماموں کے معجزات باطن میں، جو چیز پروردگار کی جانب سے باعثِ تسکین ہو، جس کو فرشتے اٹھاتے ہوں اور جس میں آلِ موسیٰؑ اور آلِ ہارونؑ کی (روحانی اور عقلی) میراث ہو، وہ کوئی عام اور مادّی شے کس طرح ہو سکتی ہے؟

<u>نیک لوگ تختوں پر</u>: بہشت میں نیک لوگ تختوں پر بیٹھے نظّارے کریں گے (۸۳/۲۳) تختوں کا قرآنی لفظ ارائِک ہے، جو جمع ہے، اور اَرِیکہ واحد ہے، جو عرش کا ہم معنی ہے، پس اَرائِک یا اریکہ سے نورِ عقل مراد ہے، چنانچہ اہلِ جنت عقل کے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، اور ان کی ہستی ایک عقلی روشنی ہوگی، اس کی ایک مادّی مثال جلتی ہوئی شمع (موم بتی) سے دی جا سکتی ہے کہ موم گویا بہشت میں روحِ مومن ہے، شعلہ تختِ عقل اور اس پر جو لطیف روشنی ہے کہ وہ وابستۂ شعلہ بھی ہے، اور پھیل بھی رہی ہے، وہ اہلِ جنّت کی لطیف ہستی ہے جو بسیط اور ہر جا حاضر (OMNIPRESENT) ہونے کی صفت رکھتی ہے، لہٰذا مومن کی عقلی انا تختِ بہشت پہ بیٹھ کر ہی مکان و لامکان کا

نظارہ کر سکتی ہے۔

ذُرّیّتِ بنی آدم : اس میں کیا شک کہ الفاظِ قرآن انتہائی اور زبردست جامع ہوا کرتے ہیں، مثال کے طور پر سورۂ اعراف (۷/۱۷۲) میں جس طرح عہدِ الَستُ کا ذکر آیا ہے، اس میں غور و فکر سے دیکھ لیجئے اس آیۂ کریمہ کا آغاز اس طرح ہے : واذ اخذ ربك ..... یعنی جب تمہارے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ذرّیّت کو لیا (اور سب کو منازلِ روحانیت میں بلند کرتے کرتے عالمِ عقل میں پہنچا دیا، جہاں ان کی دیدۂ عقل روشن ہوئی) اور ان کو اپنی روح کا بالائی سرا دکھایا گیا... خوب یاد رہے کہ اَخَذَ (اُس نے لیا، پکڑا) دستِ قدرت کا فعل ہے، جس کا ظہور و کمال مقامِ عقل پر ہے، پس وہاں اس کی مٹھی میں جو کچھ ہے، وہ سب کچھ ہے اور عقل و ذُرّیّتِ بنی آدم بھی ہے۔

کُلُّ شَیٔ : ہر چیز، یعنی تمام چیزیں، قرآنِ مجید میں جب جب کُلُّ شَیٔ کا عنوان آتا ہے تو اس کے معنی سے باہر کوئی چیز نہیں ہوتی ہے، کیونکہ کُلُّ شَیٔ سے تمام عقلی، روحی، اور جسمی چیزیں مراد ہیں، اور ان میں سب سے خاص اور سب سے اعلیٰ عقلی چیز بھی ہے، وہ رُؤیَتُ یعنی دیدارِ الٰہی ہے، جس کے بغیر بے شمار نعمتوں اور کرامتوں کی سیڑھی کا کوئی مقصد ہی نہیں، اور نہ ہی معرفت ممکن ہے، پس اللہ جَلَّ جلالہ نے امامِ مبینؑ کی ذاتِ اقدس میں تمام

چیزوں کو گھیر کر شمار کر لیا ہے، اور انہیں گوہرِ عقل کی صورت دی ہے (۱۲/۳۶) اس سے معلوم ہوا کہ کُلّ شی دراصل لُولوئے عقل ہی ہے، خالقِ اکبر نے بارِ اوّل اسی سے کائنات و موجودات کو پیدا کیا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے: کیا وہ لوگ (چشمِ باطن سے) نہیں دیکھتے ہیں کہ خدا کس طرح مخلوقات کو پہلے پہل پیدا کرتا ہے اور پھر اس کو (دستِ قدرت میں گوہرِ ازل بنا کر) دوبارہ پیدا کرتا ہے (۲۹/۱۹)۔

صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ: بہت معزز اوراق (۸۰/۱۳) یعنی نورِ عقل کے ظہورات، جن میں قرآنِ کریم اپنی بے مثال ازلی نورانیت کے ساتھ درخشان و تابان ہے، جیسے لوحِ محفوظ میں اس پاک آسمانی کتاب کی روحانی صورت ہمیشہ کے لیے موجود ہے (۸۵ : ۲۱-۲۲) یہاں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ قرآنِ عظیم خدا تعالیٰ کا کلامِ حکمت نظام ہے، لہٰذا یہ انتہائی پاک و برتر ہے، پھر ایسی لاہوتی کتاب میں نصیحت و عبرت کی خاطر اہلِ زمین کے بعض قصّے بھی ضروری ہوئے، جن میں بظاہر کچھ باتیں مخلوق کی زبان سے ہیں، اس کے بارے میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہیئے؟

جواب: یقیناً قرآن میں بہت سے احکام کے ساتھ ساتھ حکایات بھی ہیں لیکن ان کی ترجمانی خدائے پاک و برتر کی طرف سے ہوئی ہے، یعنی ایسی تمام باتوں کو نورِ عقل (قلمِ الٰہی) کے سانچے میں ڈھل کر نازل ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، اسی مناسبت سے

قرآن کے بہت سے ناموں میں یہ دو مبارک نام بھی ہیں: مرفوعۃ مُطھّرۃ (۸۰/۱۴) بلند کیا گیا، پاک کیا گیا، پس قرآنِ حکیم کی ہر آیت میں علم و حکمت کا ایک خزانہ پنہان ہے، کیونکہ وہ ہر حالت میں مِنْ عِنْدِ اللہ (خدا کی طرف سے) ہے۔

مُحبّت اور عقل: حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں ارشاد ہے: وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ (۲۰/۳۹) اور میں نے تم پر اپنی محبّت کا پرتَو ڈال دیا۔ یہاں یہ حقیقت روشن ہے کہ انسانِ کامل (پیغمبرؑ اور امامؑ) میں خدا اپنی محبّت رکھ دیتا ہے، تاکہ لوگ اس سے محبّت کریں، نیز کسی میں خدائی محبّت ہونے کی غرض یہ بھی ہے کہ اس ہستی میں عقل درجۂ کمال پر پہنچ جائے، جیسا کہ شروع ہی میں حدیثِ شریف کے حوالے سے اس کا ذکر ہوا۔

کنزِ مخفی: ایک حدیثِ قدسی کا مفہوم یہ ہے کہ پروردگارِ عالم پوشیدہ خزانہ تھا (یعنی خزانۂ اسرارِ عقل) پس اس نے چاہا کہ اس کو پہچانا جائے سو اس نے خلق کو پیدا کیا۔ یہ عالمِ شخصی ہی کی بات ہے کہ خداوندِ علیم و حکیم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے عارفین کو جسماً، روحاً، اور عقلاً پیدا کر کے اپنی معرفت کے قابل بنا دیا، اور اس بات میں اس کے لاتعداد احسانات کا اشارہ ہے کہ اس بے مثال مہربان نے اپنی ذاتِ پاک کو گنجِ مخفی قرار دیا، تاکہ جو شخص اپنے آپ کو سب سے زیادہ پہچانتا ہو، وہی معرفتِ الٰہی میں سب سے آگے ہو، اور

یہ خزانہ اسی کا ہو جائے، جیسا کہ حدیثِ نبوی کا ارشاد ہے: مَن کان لِلّٰہِ کان اللّٰہ لہ (جو بحقیقت خدا کا ہو تو خدا بھی اسی کا ہو جاتا ہے۔)

آفتابِ عقل: قرآنِ حکیم میں نورِ عقل کا ایک نام "شمس" بھی ہے، مثال کے طور پر قصّۂ ذوالقرنین (۱۸: ۸۳-۹۸) میں دیکھ لیں، یعنی عقل ہی عالمِ شخصی کا سورج ہے، اور یہ بھی یاد ہو کہ جہاں کوئی سورج ہوتا ہے، وہاں ایک کائنات بھی ہوا کرتی ہے، چنانچہ اِس مادّی دنیا میں ظاہری سورج کی جیسی ضرورت ہے، عالمِ شخصی میں آفتابِ عقل کی بھی ویسی ہی اہمیّت ہے، سُورۂ تکویر (۸۱/۱) میں ارشاد ہوا ہے: جس وقت آفتاب لپیٹ لیا جائے گا۔ یعنی ہر عارف کی ذاتی قیامت میں نہ صرف منزلِ عزرائیلی ہی میں بلکہ مرتبۂ عقل پر بھی یہ مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ بارہا کائناتِ جان و عقل لپیٹی اور پھیلائی جاتی ہے، اور اس فعلِ قدرت میں بے شمار اسرار مخفی ہیں۔

نفسِ واحدہ: آپ کو یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ حضراتِ انبیاء و ائمّہ علیھم السّلام میں سے ہر ایک اپنے وقت کا نفسِ واحدہ (۲۸/۳۱) ہوا کرتا ہے، یعنی ایسا فردِ واحد اور ایسا شخصِ کامل کہ اس کی ذات میں تمام نفوسِ خلائق کی قیامت برپا ہو جاتی ہے، درحالے کہ کچھ پاکیزہ روحوں کے سوا اس واقعۂ عظیم کو کوئی نہیں جان

سکتا، جس کی وجہیں دو ہیں، پہلی وجہ : وہ مومن تھا، مگر علم وعبادت میں کمزور، لہٰذا اس پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہیں رکھا گیا (۳/۱۷، ۲۷/۸۰) دوسری وجہ : وہ مومن نہیں تھا، اس لیے وہ قیامت سے اندھا رہا (۱۷/۷۲، ۲۷/۶۶) کاش وہ عقلِ کامل یعنی نفسِ واحدہ کو پہچان لیتا!

نورِ عقل کا فیضِ عام : یقین کے تین بڑے درجات کے بارے میں آپ جانتے ہوں گے، ان میں سے ہر درجہ گویا بہت اونچی سیڑھی ہے، جس کے بہت سے زینے ہیں، چنانچہ سب سے پہلے علم الیقین کی سیڑھی بے حد ضروری ہے، کیونکہ راہِ مستقیم یہی ہے، اور اسی سیڑھی پر نورِ عقل کا فیضِ عمیم حاصل ہوتا رہتا ہے، ایک مثال : جو بیماری انسانی جسم میں درد کے بغیر آگے بڑھتی رہتی ہو، وہ زیادہ خطرناک ہوا کرتی ہے، اسی طرح اگر کوئی آدمی شک وشبہ اور جہالت ونادانی کا مریض ہے، تو اکثر وہ کسی ایسے درد کو محسوس ہی نہیں کرتا، پس مومن کی بہت بڑی سعادت اسی میں ہے کہ وہ ہر وقت حصولِ علم الیقین میں مصروف رہتا ہے، تاکہ وہ شکوک وشبہات کے جراثیم سے محفوظ رہے۔

عُروۃُ الوُثقیٰ : اس کے معنی ہیں : دستاویزِ محکم، دستگیرۂ محکم، (۲/۲۵۶) یعنی دین کا وہ مضبوط ترین وسیلہ، جس کو پکڑنے سے پائے عقیدت میں کوئی لغزش نہ آئے، اس سے عقل اور اس کا مظہر

مراد ہے، جو اللہ کی رسّی ہے، جس کا بالائی سرا خدا کے ہاتھ میں ہے، اور زیرین سرا مومنین کے ہاتھ میں، تاکہ اہلِ ایمان اس ذریعے سے عالمِ بالا میں پہنچ جائیں۔

حبل اللہ: خدا کی رسّی (۳/۱۰۳) نورِ عقل ہے، جو قرآن اور نورِ امامت کی صورت میں سرچشمۂ علم و ہدایت ہے، حدیثِ شریف میں ارشاد ہے کہ خدا کی کتاب (قرآن) آسمان سے زمین تک کھینچی ہوئی رسّی ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ منازلِ روحانیت وعقلانیت میں سے کوئی منزل ایسی نہیں جہاں قرآن اور نورِ امامت کی یہ رسّی نہ ہو، کیونکہ آیۂ کریمہ (۵/۱۵) سے یہ حقیقت بدرجۂ یقین روشن ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں گرانقدر چیزیں اللہ کی طرف سے آئی ہیں، اور ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

عقلی معجزات: قرآنِ پاک میں معجزہ کا نام آیہ ہے (۱۳/۳۸) جس کی جمع آیات ہے، اگر چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے تو قرآنِ حکیم کی ہر آیت فعلاً ایک دائمی عقلی معجزہ ہے، اسی طرح قرآنِ عظیم سرتاسر معجزاتِ علمی کا عالم ہے، اور بڑی عجیب بات یہ ہے کہ فرقانِ حمید میں انبیا علیہم السّلام کے جن جن معجزات کا ذکر آیا ہے، وہ بھی حجابِ روحانیت کے پیچھے روحانی اور عقلی معجزات ہیں، اب رہا سوال آیاتِ آفاق وانفس کا (۴۱/۵۳) تو وہ بھی کسی شک کے بغیر معجزاتِ الٰہی ہیں، لیکن لوگوں کے لیے وضاحت چاہیئے کہ سائنسی

عجائب وغرائب (معجزات) میں عقل و روح کے کیا کیا اشارے ہو سکتے ہیں؟ اس کے لیے دیکھیۓ: قرآنی مینار، سائنس اور روحانیت۔

بحرِ علم پر عرش: ارشادِ خداوندی کا ترجمہ: اور وہ تو وہی (قادرِ مطلق) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا (کَانَ، ۱۱:۷) تاویلی حکمت: خدا نے عالمِ شخصی کے آسمانوں اور زمین کو روحانیت کے چھ چھوٹے چھوٹے ادوار میں پیدا کیا اور نورِ عقل جو اس کا تخت ہے اس کا ظہور علم کے سمندر پر ہوا، یعنی کتابِ معرفت کا کہنا یہ ہے کہ روحانیّت وہ عالم ہے، جس کے شروع کے چھ مراحل پیغمبروں خصوصاً چھ ناطقوں کی شناخت سے متعلق ہیں، اور ساتواں مرحلہ جو بڑا طویل ہے، وہ امام، امامتؑ قائم اور قیامت کی پہچان کے بارے میں ہے، اور یہاں انتہائی عظیم خزائن رکھے ہوئے ہیں۔

کوہِ قاف: اس سے کوہِ عقل مراد ہے، جو ہر چیز پر محیط ہونے کے ساتھ اپنی نوعیّت کا ایک عالم بھی ہے، جس میں سب کچھ ہے مگر متّحد یعنی ایک ہو کر، شروع شروع میں آپ کو بڑا تعجّب ہوگا کہ ایک میں سب کیسے ہو سکتے ہیں!! اور کس طرح سما سکتے ہیں؛ لیکن آگے چل کر آپ یقین کریں گے کہ یہ بات حقیقت ہے، اس کی ایک ظاہری مثال عددِ واحد (۱) ہے، جس سے اربوں کھربوں سے بھی زیادہ شمار کا ایک علم وجود میں آیا ہے، اور وہ "علم الحساب" کہلاتا ہے، اب آپ دُنیائے علم

حساب کا وہ اصل ظرف بتائیں، جس میں عددی کائنات کا سارا پھیلاؤ سمٹ سمٹ کر سما سکتا ہے؟ وہ وہی عددِ واحد ہے جس سے اعداد و شمار کی دنیا پھیلائی گئی تھی، اس سے نورِ عقل یا طورِ عقل کی وضاحت ہوئی کہ جب پروردگار اس پر اپنی تجلّی ڈالتا ہے، تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اور یہ بے شمار ذرّے جو تجلّیٔ حق کے زیرِ اثر پیدا ہو گئے، وہ عبث اور بے معنی کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا یہ کہنا حقیقت ہے کہ اس مثال میں بے شمار عقلی اور روحانی نعمتوں کا ذکر ہے۔

نصیر الدّین نصیؔر ھونزائی، کراچی

بدھ ۶ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

۲۳ جنوری ۱۹۹۱ء

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

اسمائے عقل کی حکمتیں

قسط:— ۲

چشمۂ سلسبیل : قرآنِ کریم میں جہاں جہاں آبِ پاک کا ذکر آیا ہے، وہ حقیقی علم کی مثال ہے، جو سرچشمۂ عقل سے جاری ہے، چنانچہ سورۂ رحمان (۵۵/۵۰، ۵۵/۶۶) اور سورۂ دھر (۷۶/۶، ۷۶/۱۸) میں عقلی اور علمی چشموں کا بیان ہے، کیونکہ جس طرح دُنیائے ظاہر کی ساری نعمتیں اور برکتیں پانی کے بغیر ناممکن ہیں، اسی طرح روحانیت اور بہشت کی کوئی نعمت و لذّت سرچشمۂ عقل و علم کے سوا ہو نہیں سکتی، پس چشمۂ سلسبیل عقل کا ایک نام ہے۔

مقامِ ابراھیمؑ : مقام کے پہلے معنی ہیں کھڑا ہونے کی جگہ، دوسرے معنی ہیں اِنبعاث کی جگہ، اور وہ مرتبۂ عقل ہے، جس میں معجزۂ ابداع و انبعاث کا ظہور ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام ایک پتّھر پر کھڑے ہوتے تھے، تاکہ خانۂ کعبہ کی دیواریں اونچی کریں، اس سے گوہرِ عقل مراد ہے، جس کے ذریعے سے ذاتی دنیا میں تعمیرِ بیت اللہ کا تجدّدِ امثال

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ہوتا ہے، اسی امکانی ارتقاء کے پیشِ نظر حکمِ خداوندی ہے:
وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (۲/۱۲۵) اور ابراہیمؑ کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ۔ یعنی تم روحانیت میں اتنی ترقی کرو کہ امامِ زمانؑ کا نور تمہارے قلب میں طلوع ہو جائے، جس کی روشنی میں تم یقیناً کعبۂ حقیقت کی تعمیر کا مشاہدہ کرو گے اور اسی طرح بیتِ عتیق (۲۲: ۲۹، ۳۳) اور مقامِ ابراہیمؑ تک رسائی ہو سکتی ہے، البیت العتیق کے معنی ہیں قدیم گھر، نیز عتیق بروزنِ فعیل بمعنئ فاعل آزاد کرنے والا، یعنی وہ گھر جس میں داخل ہو جانے سے لوگوں کو تقلید و جہالت کی زنجیروں سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

حدید ـــ لوہا: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۵۷/۲۵) اور ہم نے ہی لوہے کو نازل کیا جس کے ذریعے سے سخت لڑائی اور لوگوں کے بہت سے نفع (کی چیزیں) ہیں۔ یعنی علمِ امامت جو سرچشمۂ عقل سے نازل کیا گیا ہے، جس کا کردار روحانی اور علمی جہاد میں بڑا زبردست ہے، مزید برآں اس میں لوگوں کے لیے اور بھی فائدے ہیں، جس طرح مادّی لوہے سے اسلحہ اور سامانِ جنگ بنائے جاتے ہیں، اسی طرح امامؑ کے علم سے روحانی ہتھیار تیار ہوتے ہیں، جو تاویلی حرب کے لیے انتہائی شدید ہیں، ان میں ابداعی کُرتے خاص ہیں، جو منزلِ

عزرائیلی اور کارخانۂ عقل میں بنتے ہیں۔

دلیلِ روشن : بَیِّنَۃٍ (۸/۴۲) یعنی عقلی دلیل، آیۂ شریفہ کا مفہوم اس طرح ہے کہ: جو شخص دلیلِ روشن کی رُو سے مر چکا ہو، اس کی جسمانی زندگی سے موت بہتر ہے، اور جو عقلی طور پر زندہ ہو تو اسے جسماً بھی زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔

سقفِ مرفوع : وہ چھت جو بلند کی گئی ہے، یعنی آسمانِ عقل جو زمینِ نفس (جان) سے بلند کر کے بنایا گیا ہے، یہاں یہ سِرِّ اعظم پوشیدہ ہے کہ عالمِ شخصی کا عرش روح کے ارتقاء سے بنتا ہے، کیونکہ سقفِ مرفوع سے عرش (عقل) مراد ہے اور لفظِ مرفوع اسمِ مفعول ہے، یعنی مذکورہ چھت کو فاعل نے پستی سے اٹھا کر بلندی پر رکھ دیا ہے، متعلقہ آیۂ مبارکہ یہ ہے: وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ (۵۲/۵) اور قسم ہے اونچی چھت کی۔

رِفعِ طور : قرآنِ حکیم میں تین بار یہ ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کے اوپر کوہِ طور مُعلّق کر کے دکھایا گیا، تاکہ وہ ڈر کر توریت کے احکام پر عمل کریں (۲/۶۳) اس کی تاویلی حکمت عالمِ شخصی میں یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے روحانی افراد کے مشاہدے میں کوہِ عقل ان کے اوپر گردش کر رہا تھا۔

حجرِ انہار : وہ پتھر جس سے (علم و حکمت کی) نہریں جاری ہوتی ہیں، وہ سنگ جس کے شق ہو جانے سے (عقل و

دانش کا) پانی نکلتا ہے، اور وہ حجر جو خدا کے خوف سے گر جاتا ہے (۷۴/۲) گوہرِ عقل ہی ہے، کیونکہ اللہ سے ڈرنے کا وصف جمادات، نباتات اور حیوانات میں کجا، وہ تو عام انسانوں کو بھی چھوڑ کر علمائے ربانی (ائمۂ طاہرینؑ) میں ہوتا ہے (۳۵/۲۸) اور گوہرِ عقل انہی حضرات میں ہے۔

جَنّاتٍ مَّعرُوشاتٍ : ایسے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں، جیسے انگور وغیرہ، یہ باغہائے عقل ہیں، (۱۴۱/۶) جو روح و روحانیت کی بلندیوں پر ہیں اور ان کے نیچے روحانی باغات ہیں، جو غیر معروشات (۱۴۱/۶) کے نام سے ہیں، غرض عقلی میوے روحانی پھلوں سے برتر اور افضل ہیں۔

مکاناً عَلیّاً : اونچی جگہ (۵۷/۱۹) یعنی عالمِ شخصی میں مرتبۂ عقل، جہاں عرش اور اس کے متعلقات کی معرفت کا خزانۂ مخفی موجود ہے اور ازل و ابد کا تجدد بھی اسی مقام پر ہے، چنانچہ خداوندِ بزرگ و برتر نے حضرتِ ادریس علیہ السّلام کو نورِ عقل عطا کر کے بلند فرمایا، آپ علیہ السّلام اپنے وقت کے امام تھے۔

میزان : اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقلِ کُل کے آسمان کو نفسِ کُل کی زمین سے الگ کر کے (۷/۵۵) بلند کیا اور (اس میں) ترازو رکھ دی (۷/۵۵) یعنی عقلی آسمان میں میزانِ عقل مقرر ہوئی، پھر خدا نے اپنے پیغمبروں کو واضح و روشن معجزات دے کر بھیجا

اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو دیئے عقل نازل کی (۵۷/۲۵) یہاں یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ جو ترازو ہر آسمانی کتاب کے ساتھ نازل ہوتی رہی ہے، اس کا خاص تعلق قرآنِ پاک سے کیوں نہ ہو، پس یقیناً یہ میزان نورِ عقل اور نورِ علم ہے، جو آنحضرتؐ کے بعد امامِ عالیمقامؑ میں موجود ہے، اور یہ وہی نور ہے، جس کا ذکر سورۂ مائدہ (۵/۱۵) میں فرمایا گیا ہے۔

خیرِ کُلّ : بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے (۳/۲۶) جب اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے ساری کائنات کو لپیٹ کر قبضۂ قدرت میں لیتا ہے، تو اس وقت شرّ کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور خدا کی مُٹھّی میں خیر کے ساتھ دوسری تمام چیزیں بھی خیر ہو جاتی ہیں، اسی طرح اب یہ جوہر اور لُبِّ لُباب ہے کائنات کا، جس سے بارِ اوّل کائنات پیدا کی گئی تھی، اور دُرِّ عقل یہی ہے، جو خیرِ کُلّ ہے۔

عصائے موسیٰؑ : حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام کی لاٹھی کا ذکر قرآن کریم کے دس مقامات پر موجود ہے، یہ عصا عالمِ شخصی میں اسمِ اعظم اور معجزۂ عقل ہے، یہ دونوں انتہائی عظیم معجزے جو ایک ہی لاٹھی کے دونوں سروں کی طرح کام کرتے ہیں، وہ باطل اور شرّ کی تمام قوتوں پر غالب آنے کے لیے کافی ہیں، دینِ حق کا معجزہ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کی طرح اگرچہ خاموش، ساکن اور بیجان لگتا ہے۔

لیکن یہ اپنے طور پر سحرِ زمانہ کے سارے طوفانوں کو نگل لینے والا اژدھا ہے۔

کتابِ مکنون: پوشیدہ کتاب، چھپائی ہوئی کتاب (۵۶/۷۸)، جو قلمِ الٰہی (عقلِ کلّ) میں بھی ہے، لوحِ محفوظ (نفسِ کلّ) میں بھی، نورِ امامت میں بھی ہے، اور خود قرآن کے باطن میں بھی، اس کو بس وہی لوگ چھوتے ہیں، جو جہالت و نادانی کی آلائش سے پاک کیے گئے ہیں، اور چھونے کا سب سے عظیم راز یہ ہے کہ مرتبۂ عقل پر اسرارِ حقائق و معارف کا تجدّد چھونے کی مثال میں ہوتا ہے جس میں بے شمار بھیدوں کی وحدت ویکجائی ہے۔

عقلی نعمتیں: جسم ظاہر ہے، مگر روح باطن، اور عقل اس سے بھی باطن ہے، پس قرآنِ حکیم کو لازمی طور پر اسی قانونِ فطرت کے مطابق ہونا ہی تھا، اور ایسا ہی ہوا کہ اس کی بے مثال اور لازوال نعمتیں نہ صرف ظاہر میں پھیلی ہوئی ہیں، بلکہ بے پایان نعمتوں کا تعلق باطن سے ہے، جیسا کہ سورۂ لقمان کا یہ ارشاد ہے (ترجمہ): کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یقیناً خدا ہی نے تمہارے لیے تابع کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں (۳۱/۲۰) اس قرآنی بیان سے یہ حقیقت روزِ روشن سے بھی زیادہ عیان اور تابندہ ہوگئی کہ قرآن کے باطن اور رُوحانیت میں روح اور

عقل کے لیے بے حساب نعمتیں موجود ہیں۔

عالم یا عاقل : قرآنِ عزیز میں جابجا براہِ راست اور بالواسطہ عقل کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، بلکہ یوں سمجھ لیں کہ کلامِ الٰہی کے شروع سے لے کر آخر تک عقل ہی کا موضوع پھیلا ہوا ہے، کیونکہ عقل خلقِ اوّل بھی ہے، اور خلقِ آخر بھی، اس لیے اس کے ظاہری اور باطنی بہت سے اسماء ہیں، کثیر مترادفات اور اضداد ہیں، اور جملہ مثالیں بھی اسی سے متعلق ہیں، اگرچہ علم ہر چیز پہ محیط ہے، لیکن اس کا سرچشمہ عقل ہے، لہٰذا علم کی تعریف بھی حقیقت میں عقل ہی کی تعریف ہے، پس قرآن میں علماء سے عُقلا مراد ہیں (۲۹/۴۳) اور یہ ائمۂ طاہرین علیہم السّلام ہیں، جو قرآنِ حکیم اور اس کی مثالوں کی حکمت کو جانتے ہیں (۲۹/۴۳)۔

عقل اور علم کی یکجائی : اگرچہ اہلِ دانش اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ نورِ عقل کی روشنیوں کا نام علم ہے، تاہم بعض تلامیذ کے لیے اس آیۂ شریفہ کی نشاندھی ضروری ہے، جس میں لفظِ عقل اور علم ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں، وہ ارشاد یہ ہے: وتلك الامثالُ نضربها للنّاسِ وما یعقلها الّا العالمون (۲۹/۴۳) اور ہم یہ مثالیں لوگوں (کے سمجھانے) کے واسطے بیان کرتے ہیں اور ان کو تو بس علما ہی سمجھتے ہیں (سورۂ عنکبوت ۲۹/۴۳) یہ عُلَما ائمۂ اہلِ بیت علیہم السّلام ہیں۔

عقل اور اشارہ : عقل کا ظہور عالمِ علوی میں اشارات پر مبنی ہے، اور قرآنِ پاک بھی اپنی نورانیت میں اشارہ ہے، کیونکہ وہ وحی ہے، یعنی اشارۂ خفی، لفظ کے اس معنیٰ کے لیے سورۂ مریم (۱۱/۱۹) میں دیکھئے : فاوحیٰ الیھم (پس ان کی طرف اشارہ کیا) اب آپ یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآنِ حکیم میں لاتعداد حکیمانہ اشارے ہیں، جن کا تعلق صاحبانِ عقل (اولوا الالباب) سے ہے اور وہی حضرات اسرار و رموزِ قرآن کو جانتے ہیں۔

صاحبانِ عقل اور نصیحت : اسمائے قرآن میں سے ایک اسم ذکر (۵۰/۲۱) ہے، اس کے معنوں میں سے ایک معنی ہیں نصیحت، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ قرآنِ عظیم سراسر نصیحت ہے، اور نصیحت کا فائدہ عقلمندوں کے لیے ہے، جیسا کہ ارشاد ہے : وما یذکر الا اولوا الالباب (۲/۲۶۹) اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت مانتا ہی نہیں۔

آیاتِ قرآن میں تدبّر : سورۂ محمدؐ (۴۷/۲۴) میں ان لوگوں کی مذمّت کی گئی ہے جو قرآن میں غور نہیں کرتے ہیں، اس کے برعکس سورۂ صٓ (۳۸/۲۹) میں عقل والوں کی توصیف فرمائی گئی ہے کہ وہ حضرات آیاتِ قرآن میں تدبّر و تفکّر کر کے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

ھدایت کا تعلق عقل سے : جملہ قرآنِ مقدس ہدایت

ہے، جس کا تعلق عقل سے ہے، جیساکہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ بات کو جی لگا کر سنتے ہیں اور پھر اس میں سے اچھی بات (احسنہ) پر عمل کرتے ہیں یہی لوگ وہ ہیں جن کی خدا نے ہدایت کی اور یہی لوگ عقلمند ہیں (۳۹/۱۸)

صاحبانِ عقل اور آیاتِ قدرت: آیاتِ قرآن، آیاتِ کائنات اور آیاتِ عالمِ شخصی میں غور و فکر کے نتائج ایک جیسے ہیں، جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں ہے: اس میں تو شک ہی نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے پھیر بدل میں عقلمندوں کے لیے (قدرتِ خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں (عقل والے وہ ہیں) جو اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے (غرض ہر حال میں) خدا کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور و فکر کرتے ہیں (۳: ۱۹۰-۱۹۱) پس یہاں یہ حقیقت روشن ہے کہ صحیفۂ کائنات کا مطالعہ صرف عقل والے ہی کر سکتے ہیں۔

حکمت (۲/۲۶۹): عقل کا ایک خاص اور مشہور نام حکمت ہے، حکمت دنیوی بھی ہے اور دینی بھی، اس لیے آپ جب کتبِ لغت میں اس لفظ کی تحقیق کریں گے، تو یہ نہ سمجھنا کہ دینی حکمت اور فلسفہ ایک ہی چیز ہے، جبکہ حکمتِ الٰہیہ اور چیز ہے، جس کے لیے قرآن میں غور سے دیکھنا ہوگا، کہ حکمت وہ عقل و دانائی ہے، جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے، جیساکہ ارشادِ ربّانی ہے: وَمَن یُؤتَ

الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً (۲/۲۶۹) اور جس کو حکمت عطا کی گئی تو یقیناً اسے خوبیوں کی بڑی دولت ہاتھ لگی۔

حکمتِ بالغہ: درجۂ انتہا کی دانائی، آسمانی حکمت کی یہ تعریف سورۂ قمر (۵۴/۵) میں ہے، اگر کوئی ہوشمند مومن اس معنیٰ میں بجا طور پر غور کرے تو اسے بہت کچھ علمی فائدہ ہو سکتا ہے، مثلاً حکمتِ بالغہ کے لفظی معنی ہیں پہنچنے والی حکمت، عقلِ رسا، عقلِ کامل، ایسی دانائی کی بات کہ اس کی گہرائی میں سرِّ ازل کا کوئی اشارہ موجود ہو، ایسی ہدایت جو ادھوری نہیں، بلکہ معنوی لحاظ سے منزلِ مقصود تک جا پہنچتی ہے، ایسا علم جس کا تذکرہ بظاہر درمیانی منزلوں کے بارے میں لگتا ہے، لیکن حقیقت میں اس کا تعلق گنجِ معرفت سے ہے، جو نورِ عقل کے ساتھ ہے، اور حکمتِ بالغہ وہ ہے، جو عالمِ علوی سے سیڑھی بن کر دُنیا میں اُتر آئی ہے، تاکہ خوش بخت مومنین اِس سے زینہ بزینہ چڑھ کر عالمِ بالا میں پہنچ جائیں۔

لفظِ تأویل: طالبانِ دانش کے لیے یہ ایک بڑا اہم سوال ہے کہ لفظِ تأویل کے اصل معنی کیا ہیں؟ اور اس کا مقصود و منشا کیا ہے؟ میں عرض کرتا ہوں کہ تأویل لفظِ اوّل سے ماخوذ ہے، اور تأویل بروزنِ تفعیل مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: اوّل کی طرف پھیرنا، اور مراد ہے کسی بات کے معنی کو باطن، روحانیت اور عقلانیت کی طرف پھیرنا یا لے جانا، مثال کے حجاب میں سے

حقیقت کو ظاہر کرنا، جیسے سورۂ یوسف (۱۲/۴۴) میں سات گائیں حقیقت نہیں مثال ہیں، پس تأویل حکمت کا دوسرا نام ہے، جو خدا کی طرف سے ہے۔

ایک بُنیادی سوال : خوب غور سے سُن لیں یہ سوال سورۂ یوسف کے حوالے سے ہے کہ آیا وہ حکمت جس سے خیرِ کثیر وابستہ ہے (۲/۲۶۹) حضرت یوسف علیہ السّلام کو عطا ہوئی تھی یا نہیں؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ ہاں، تو پھر تاویل وہی حکمت قرار پائے گی، جس میں خوبیوں کی بڑی دولت موجود ہے، اور حقیقت یہی ہے کیونکہ خدائے پاک و برتر ہی نے حضرت یوسفؑ کو علمِ تأویل سکھایا اور اللہ جس کو علم دیتا ہے، وہ کوئی ثانوی قسم کا علم ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ وہ تمام ذیلی علوم کا اصل سرچشمہ ہوتا ہے، پس یہی کہنا بالکل درست اور حقیقت ہے، کہ جو اصل تأویل ہے، وہی حکمتِ بالغہ ہے اور اسی میں خیرِ کثیر ہے۔

حضرت یوسفؑ اور تأویل : حضرت یوسفؑ پیغمبر تھے اور امام بھی، آپؑ کو خدا نے علمِ تاویل اس طرح سکھایا کہ شروع شروع میں رفتہ رفتہ منازلِ روحانی کا سلوک مکمل ہو گیا، پھر ذاتی دنیا ہی میں ارض اللہ (زمینِ نفسِ کُلّ) کی خلافت عنایت ہوئی، تاکہ اُس عالمِ بالا کے پُر نور و پُر حکمت مشاہدات کی روشنی میں ظاہری باتوں کی تاویل کر سکیں (۱۲/۱۱) پس جس شخص نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا

ہو جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے، وہ تاویل نہیں کر سکتا، اور جن کو امامِ زمانؑ نے تأویلی جنگ کے لیے اپنے سپاہی بنا لیا ہو، وہ اپنی حیثیت کے مطابق تأویل کر سکتے ہیں، کیونکہ تأویل ایک عقلی جنگ ہے، جس کے لیے علمی لشکر کا ہونا ازبس ضروری ہے۔

یک حقیقت کی مثالیں: حقیقتِ حقائق ایک ہی ہے، اور وہ "یک حقیقت" کہلاتی ہے، جس کی بے شمار مثالیں ہیں، یہ نورِ عقل ہی کا تذکرہ ہے، اسی کی حرکت اور طلوع و غروب کی اتنی ساری تعبیریں کی گئی ہیں، ہر تعبیر اور ہر مثال باکمال اور لاجواب ہے، آپ سورۂ اسراء (۱۷/۸۹) سورۂ کہف (۱۸/۵۴) سورۂ روم (۳۰/۵۸) اور سورۂ زمر (۳۹/۲۷) میں دیکھ لیجئے، عقلِ کلؔ کی مثالوں کی یہ کثرت اس وجہ سے ہے کہ اس کو خدائے بزرگ و برتر نے تمام ممثولات (حقائق) کا کنزِ مخفی بنا دیا ہے، سبحان اللہ!

عرش ہر چیز پر محیط: عرش سے عقلِ کلؔ مراد ہے، جو نورانی اور علمی اعتبار سے کائنات و موجودات پر محیط ہے، اسی وجہ سے مولا علی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ: "مجھ سے ہر اس چیز کے بارے میں پوچھ لو جو عرش (یعنی عقل) کے نیچے ہے"۔ کیونکہ نورِ نبوّت قلم، عرش اور عقلِ کلؔ ہے، جبکہ نورِ امامت، لوح، کرسی اور نفسِ کلؔ کا درجہ رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک ہی نور ہے، جو نورِ عقل ہے، لہٰذا امیرالمومنینؑ نے بزبانِ حکمت یہ فرمایا کہ: مجھ سے پوچھو

تمام چیزوں کے بارے میں، کیونکہ ہر چیز میرے نور کے تحت ہے۔

عقل کی اوّلیت: انسان اشرف المخلوقات سہی، لیکن وہ شکمِ مادر سے پیدا ہوتے ہی کبھی عاقل و دانا نہیں کہلا سکتا، بلکہ حکمت اس امر میں ہے کہ وہ فطرت کے تمام ارتقائی مراحل میں شروع سے آخر تک سفر کرتا ہے، چنانچہ وہ سب سے پہلے جماد کی طرح بے جان ہوتا ہے، پھر نبات کی مختلف منزلیں طے کرتا ہے، پھر روحِ حیوانی کے مقامات سے گزرتا ہے، پھر اس میں روحِ انسانی آتی ہے، اور سب سے آخر میں عقلِ جزوی آتی ہے، اب اس کی تکمیل کی ضرورت ہے، اگر عقل حقیقی معنوں میں مکمل ہوئی، تو ایسا شخص انسانِ کامل میں فنا ہو کر از سرِ نو زندہ ہو جاتا ہے، اور اس کی جدید زندگی کے پیشِ نظر عقل ہی کو ہر اعتبار سے اوّلیت حاصل ہوتی ہے، پس اسی معنی میں ارشادِ نبوی ہے کہ: خدا نے (عالمِ شخصی میں) سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا۔

عقلی لذّتیں: لذّتوں کی تقسیم جسم، روح، اور عقل پر ہوئی ہے، جمادات اور نباتات البتہ لذّت و حلاوت سے محروم ہیں، جانوروں کو جسمانی لذّتوں سے ایک ادنیٰ سا حصّہ ملا ہے، انسان میں جسمانی لذّتیں مکمّل اور بھرپور ہیں، جس کی وجہ انسانی روح کی شرکت اور عقل کی ہمسائگی ہے، اگر یہ بات سچ ہے، تو پھر روحانی لذّتوں کا کیا عالم ہوگا، اور اس سے بھی بڑھ کر عقلی حلاوتوں کی کیا شان ہوگی، اس میں کوئی

شک ہی نہیں کہ مادی لذتیں بیک وقت کئی کام انجام دیتی ہیں : وہ روحانی اور عقلی نعمتوں کی برتری کی طرف اشارہ کرتی ہیں، وہ زبانِ حال سے کہتی ہیں کہ ہم آزمائش ہیں، اور کہہ رہی ہیں کہ ہم ان کے لیے سزا بھی ہیں، جو روحانی اور علمی (عقلی) نعمتوں کا مزہ نہیں لے رہے ہیں۔

باقاعدہ عبادت اور کثرتِ ذکر میں اعلیٰ قسم کی روحانی لذّت موجود ہے، اگر کسی کو ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوتا ہو تو یقیناً یہ اس آدمی کا قصور ہو سکتا ہے، ورنہ جسمانی لذّت سے روحانی لذّت برتر نہ ہونے کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے، اسی طرح کچھ شرائط عقلی لذّت کے لیے بھی ہیں اور پہلی شرط یہ ہے کہ عقلِ جزوی بیمار نہ ہو، ورنہ اس کے سامنے ہزار گونہ عقلی نعمتیں رکھیں، پھر بھی اس کو کوئی مزہ نہیں آئے گا، جیسے بیمار آدمی کھانے سے بے رغبت ہو جاتا ہے اگر مجبوراً ذرا سا کھا بھی لے تو وہ غذا اس کے منہ میں بے ذائقہ ہو جاتی ہے۔

<u>عقلی پرورش</u> : خالقِ اکبر نے انسان کو عقلِ غریزی (فطری) عنایت کر کے دوسری بہت سی مخلوقات پر بادشاہ بنا دیا، ساتھ ہی ساتھ اس پیدائشی عقل کی پرورش کی غرض سے انبیاء و اوصیا علیہم السلام کو مبعوث و مامور فرمایا، تاکہ دنیائے انسانیت علم و حکمت اور نظامِ تربیت سے خالی نہ ہو، اور عقل جیسی خدا کی پسندیدہ و محبوب مخلوق کے

لیے ذریعۂ اتمام وتکمیل مہیا رہے، پس روحانی اور عقلی تربیت وپرورش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خداوندِ جلّ جلالہ نے ارشاد فرمایا: الحمد للہ ربّ العالمین۔ خدا کی بہت بڑی تعریف ہے کہ وہ عوالمِ شخصی کا پروردگار ہے، یعنی اس بے حد مہربان کی طرف سے عقل وجان کی ہر گونہ پرورش کے تمام وسائل موجود ومہیا ہیں۔

کَوکَبِ دُرّیّ: ستارۂ دُرّیّ، ستارۂ گوہرین (۲۴/۳۵) عقلِ کُلّ ہے، کیونکہ وہ عقل ودانش، اور علم وحکمت کے انمول موتیوں کا عالم ہے، اور نجمِ ھُدا ہے (۱۶/۱۶) یہ وہ ستارہ ہے جو پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی معراج کی شہادت دے رہا ہے (۱/۵۳) اس کی شانِ تقدّس دیکھیئے کہ خدا نے اس کی قسم کھائی، نیز عقلِ کُلّی وہ نجم ہے اور نفسِ کُلّی وہ درخت، جو مخلوقات کی چوٹی پر اللہ جلّ شانہ کے لیے سجدہ کرتے رہتے ہیں (۶/۵۵) غرض قرآنِ پاک میں جہاں جہاں سورج، چاند، نجم، نجوم، چراغ اور چراغوں کے تذکرے آئے ہیں، وہ عقل کی تعریفی مثالیں ہیں، اسی طرح نور عالمِ بالا میں عقلِ کُلّ ہے، اور دنیائے ظاہر میں امامِ زمان صلوات اللہ علیہ وسلامہ۔

واحد اور جمع: عالمِ کثرت کے ماحول کی وجہ سے ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک میں سب کا وجود کیسے ہو سکتا ہے؟ یا ایک ہی چیز ہر چیز کس طرح ہو سکتی ہے؟ حالانکہ یہ کوئی مشکل مسئلہ ہے نہیں، کیونکہ جب اشیاء یا مخلوقات کی کثرت ہے،

تو لازماً کہیں نہ کہیں ان کی وحدت بھی ہو سکتی ہے، جی ہاں اس وحدت کا مشاہدہ وہاں ہوتا ہے، جہاں خالقِ اکبر کائنات و موجودات کو اپنے قدرت والے ہاتھ میں لپیٹ کر (۳۹/۶۷) ملکوت بناتا ہے (۳۶/۸۳) جس میں ہر چیز کی یکجائی اور وحدت ہے۔

کتابِ عقل۔ مجموعۂ کُتُب : قرآنِ کریم کی ہر آیت حکیمانہ اشارات سے بھری ہوئی ہے، یہ صفت آیاتِ کریمہ کے ظاہری معنوں کے علاوہ ہوتی ہے، جیساکہ سورۂ انبیاء کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے : جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹیں گے جس طرح نوشتے کو کتابیں بنانے کے لیے لپیٹا جاتا ہے ... (۲۱/۱۰۴) اس سے یہ حقیقت مستنبط ہو جاتی ہے کہ اگرچہ آسمان یعنی کائنات اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب قدرت کی ایک انتہائی وسیع کتاب ہے، لیکن اس کو باطنی طور پر لپیٹ کر عوالمِ شخصی میں عقل کی کتابیں بنادی جاتی ہیں، یہی وہ کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ مرتبۂ حق الیقین پر ہے (۲/۲، ۱۰/۳۷) اور قرآنِ پاک اس کی حکیمانہ تفصیل ہے (۱۰/۳۷)۔

ہزار سوال، ایک جواب : قرآنِ حکیم کے کُلیّات کی جامعیّت کا یہ معجزۂ کمال ہے کہ ان میں سے ہر ایک کُلیّہ میں ہزارہا سوالات کے لیے جوابِ شافی و کافی موجود ہوتا ہے، لیکن اس کی شرط غور و فکر اور عقل و دانش ہے، مثال کے طور پر سورۂ روم (۳۰/۴) میں

غور سے دیکھنے کی ریاضت کیجیۓ، جس کا مفہوم ہے کہ: تم حنیف ہو کر (مقامِ معرفت پر) اپنا چہرۂ جان دین کے لیے قائم کرو خدا کی پیدائش (کا کمال)، یہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو (اہلیّت دے کر) پیدا کیا ہے ... یعنی جملہ احکامِ دین کی بجا آوری سے عالمِ شخصی میں اتنی ترقی کرو کہ تمہارا روحانی چہرہ نفسِ کلّی کی نمائندگی کرنے لگے، تب تم اسرارِ عقل کے خزانے کو حاصل کر سکو گے، جہاں کوئی بھی سوال ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

قلب ۔ دل : قرآنِ عظیم میں قلب کا مضمون بہت زیادہ توجہ طلب ہے، کیوں نہ ہو، جبکہ بموجبِ حدیثِ شریف ہر چیز کا قلب/ دل ہوتا ہے اور قرآن کا قلب سورۂ یٰسٓ ہے (لِکُلِّ شیءٍ قلباً و قلب القرآن یٰسٓ)، چنانچہ انسانی قلب سے عقل مراد ہے، کیونکہ جاننے (۴۶/۲۲) یا نہ جاننے (۷/۱۷۹) کا تعلق قلب سے ہے، اور یہاں ایک بہت بڑا رازِ سربستہ یہ ہے کہ تاویلاً امامِ زمان علیہ السّلام مومن کا قلبِ سلیم ہے (۲۶/۸۹)۔

عطیّۂ الٰھی : اللہ تبارک و تعالیٰ کا سب سے عظیم عطیہ اور سب سے بڑا انعام عقل ہی ہے، جس کے وسیلے سے تمام ذیلی نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں، کیونکہ دین و دُنیا کی جملہ سعادتیں اور برکتیں نورِ عقل کی کرنیں ہیں، یہ کلیدی نکتہ خوب ذہن نشین کر لیں کہ خدا کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، وہ اپنے نیک بندوں کو

عطا کر دینے کی غرض سے ہے، جیسے فضل (۲/۳، ۳/۲۶) خیر (۳/۲۶) ملکوت (۲۳/۸۸) مُلک (۱/۶۷) وغیرہ، ان میں سے ہر معنی میں سب کچھ ہے۔

قدیم اور جدید: ہر آدمی کی خواہشات اور تمنّاؤں کے دو رُخ ہوا کرتے ہیں، ایک رُخ ہمیشہ ماضی کی جانب رہتا ہے اور دوسرا مستقبل کی طرف، وہ نہ صرف جدید انکشافات کو دیکھنا چاہتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قدیم واقعات کو بھی جاننے کا خواہشمند ہے، یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نورِ عقل کی حرکت دائرہ نما ہے، وہ جہاں سے طلوع ہوتا ہے گھوم کر وہاں غروب ہو جاتا ہے، پس مومنین بہشت کی نعمتوں کے سلسلے میں اقوامِ عالم کی زندہ تاریخ کا بہت ہی قریب سے نظارہ کر سکیں گے، (۹/۱۰۵، ۳۹/۲۰، ۵/۵۰) کیونکہ جنّت کے محلّات کے مختلف جھروکے اس غرض سے ہیں کہ ان سے عالمِ عقل اور عالمِ روح کا مشاہدہ اور عالمِ جسم کے ماضی اور مستقبل کا نظّارہ کیا جائے (۲۵/۷۵، ۲۹/۵۸)

وسیلۂ عقل: شروع سے لے کر آخر تک جس عقلِ کامل کی تعریف و توصیف ہوئی، اس سے خاطر خواہ فیض حاصل کرنے کا وسیلہ یہ ہے کہ مومن اطاعت و فرمانبرداری کی راہ پر گامزن ہوتے ہوئے خدا، رسولؐ اور امامِ زمانؑ کی نورانی محبّت کو حاصل کرے، تاکہ وہ خدا کے

دوستوں میں شامل ہو جائے، اور اس پر نورِ عقل کی کرنیں برستی رہیں، کیونکہ عقل کا تعلق ایسی ہی محبّت سے ہے۔

نصیرالدین نصیؔر ہونزائی۔ کراچی
اتوار یکم شعبان المعظّم ۱۴۱۱ھ
۱۷ فروری ۱۹۹۱ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

تجلّیٔ طُور

۱۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (۲۴/۳۵) یعنی کائناتِ شخصی کے آسمانوں اور زمینوں کا، جیسے فرشتۂ عقلِ کُل آسمان ہے اور فرشتۂ نفسِ کُل زمین، پھر نفسِ کُل آسمان ہے، اور ناطق زمین، پھر ناطق آسمان ہے اور اساس زمین، پھر اساس آسمان ہے اور امام زمین، پھر امام آسمان ہے اور حجّت زمین۔ چنانچہ یہ آسمان و زمین اور ان میں جتنی چیزیں ہیں، وہ سب اللہ کے نور سے منوّر ہیں، لہٰذا یہاں کی ہر شی بحقیقت نور کہلاتی ہے، جبکہ ظاہراً و باطِناً نورِ الٰہی سے روشن اور رنگِ خدا (۲/۱۳۸) سے رنگین ہو چکی ہے۔

۲۔ کائناتِ شخصی سے عالمِ دین اور عالمِ وحدت مراد ہے، جو امامِ مبین کی ذاتِ عالی صفات میں موجود ہے، اور اسی پاک و پاکیزہ ہستی میں تمام عقلی اور روحی چیزیں گھیری ہوئی ہیں، اور یہیں ہر شی پر نورِ خداوندی کی بارش برستی ہے، پس ہر مومن کا یہ ایک علمی فریضہ ہے کہ وہ عقل و دانش سے ان لطیف چیزوں کے بارے میں خوب سوچے، جو امامِ اقدس و اطہرؑ کے احاطۂ نور میں محاط ہیں،

(۲۶/۱۲)۔ وہ اس ظاہری اور مادّی مثال میں بھی اچھی طرح سے غور کرے کہ لوہے کی تمام تر چیزیں آگ میں سُرخ کر کے بنائی جاتی ہیں، اب اگر ان سب کو آگ میں دوبارہ سُرخ کیا جائے تو یقیناً وہ آگ کہلا سکتی ہیں، اسی طرح علمی اور عرفانی چیزیں امامِ عالیمقامؑ میں انوار ہیں، اگرچہ بہت سے لوگ اس راز سے بے خبر ہیں، مثال کے طور پر ایمان کے بہت سے درجات ہیں، اور یہ اوپر اوپر کے درجوں میں نور ہے، سورۂ تحریم (۶۶ : ۸) میں دیکھ لیں کہ کچھ مومنین کو نور حاصل ہوا ہے، مگر اس کو تمامیّت و کمالیّت چاہیئے، اس لیے وہ دعا کر رہے ہیں:

پروردگارا ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش دے (۶۶/۸)

۳۔ نور میں حقیقتوں اور معرفتوں کی وحدت و یکجائی ہُوا کرتی ہے، اس لیے آپ یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ یہ نورِ عقل ہے، نورِ علم بھی، نورِ ہدایت بھی، نورِ ایمان بھی، نورِ یقین بھی، نورِ بصیرت بھی، نورِ معرفت بھی، نورِ عشق بھی، نورِ تائید بھی، نورِ باطن بھی، وغیرہ، کیونکہ نور کے بہت سے کام ہیں، اس لیے اس کے بہت سے نام ہیں، یہی وجہ ہے کہ لفظِ نور قرآنِ حکیم میں محدود معنی کے ساتھ استعمال نہیں ہوا ہے، اِن شاء اللہ آپ نور کی ہر بات کو جان سے بھی زیادہ عزیز رکھیں گے۔

۴۔ اللہ (جلّ جلالہ) نے جب اپنی پاک تجلّی جبلِ روح

پرڈالی، تو وہ ذرّہ ذرّہ ہوگیا، اور اس سے عالمِ ذرّ پیدا ہوا، اور جب یہی تجلّی طورِ عقل پرڈالی گئی تو اس کے ریزہ ریزہ ہونے سے عالمِ عقل وجود میں آیا، پس عقل و روح کا ہر ذرّہ تجلّیٔ حق کی آئینہ داری کرنے لگا، تاکہ عارفین کی چشمِ بصیرت تجلّیاتِ علم وحکمت سے روشن ہو، کیونکہ خداوندِ قدّوس کی جلوہ نمائی کا اثر لازوال اور انمٹ ہوتا ہے، لہٰذا خدا کے دوستوں کے دل میں اس کا عرفانی پرتو ہمیشہ جھلکتا رہتا ہے۔

۵۔ قرآنِ پاک اس امر کی طرف پُرزور توجّہ دلاتا ہے کہ ذاتِ سبحان کے سوا کوئی یکتا نہیں، تمام چیزیں جفت جفت ہیں، چنانچہ عالمِ شخصی میں بھی قانونِ فطرت کے مطابق دو بنیادی چیزیں جفت ہیں، یعنی روح اور عقل، پس روحِ منجمد کے پہاڑ پر جس طرح ملکوتی بجلی گرتی ہے، کوہِ عقل پر بھی آخرکار ایسی جبروتی بجلی گرجاتی ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ برقِ تجلّی میں ہلاکت ہے، یہ توحیاتِ سرمدی لے کر آتی ہے، لہٰذا ہمیں برقِ طور کے لیے زار وقطار رونا چاہیئے۔

۶۔ عاشقانِ الٰہی حسرت سے کہتے ہیں: آہ! وہ صبحِ ازل اور شامِ ابد، وہ طلوع وغروبِ آفتابِ نور، وہ کتابِ مکنون اور اس کے اسرارِ حقائق، وہ علمِ لاھوت اور اس کے دقائق، وہ گنجِ مخفی اور اس کے انمول جواہر، وہ خزانۂ عقل اور اس کی بے پایان

دولت، وہ عجائب و غرائبِ کوہِ قاف، وہ انتہائی حیرت انگیز نامۂ اعمال، وہ تجلیات در تجلیات، اور ظہورات در ظہورات۔

۷۔ قرآنِ عزیز کے بے مثال اعجاز کا یہ عالم ہے کہ آپ اس کے موضوعات میں سے جس موضوع سے بحث کریں، وہی موضوع سارے قرآن میں پھیلا ہوا نظر آئے گا۔ اس باب میں آتشِ طُور (۲۰/۱۰) کی مثال لیجئے کہ وہ نار صرف حضرتِ موسیٰؑ ہی کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ یہ وہی نورِ قدیم اور گنجِ حکیم ہے، جس میں فنا ہوئے بغیر نہ تو کوئی نبی ہوا ہے اور نہ کوئی ولی، یہی مطلب سورۂ حدید (۲۷/۸) کے اس پُر حکمت ارشاد میں ہے ....

بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ .... برکت دیا گیا ہے جو (اِس) آگ میں ہے۔ خوب غور سے دیکھئے کہ یہاں ایک تو آگ یعنی نور ہے، اور دوسری کوئی ہستی ہے جو اس نور میں فنا ہو کر زندۂ جاوید ہو چکی ہے، جس کی وجہ سے اسے برکت دی گئی ہے۔ اور ان کو بھی نورانی برکتیں عطا ہوئی ہیں، جو نور کے گرد رہتے ہیں، مگر ذاتِ سبحان پرتر و بے نیاز ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ یہ وہی کُلّیہ ہے اور منزلِ فنا اور انبیاء و أئمۂ علیہم السّلام کی معرفت کے لیے دعوت ہے، جس کی مثالیں تمام قرآنِ حکیم میں موجود ہیں۔

۸۔ مذکورہ آیۂ شریفہ میں نور کی تشبیہ و تمثیل آگ سے دی گئی ہے، تاکہ مرتبۂ فنا کی توضیح ہو، وہ اس طرح کہ دُنیا میں کوئی

آگ ایندھن کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی ہے، چنانچہ نورِ ایمان، نورِ عشق، نورِ علم، نورِ معرفت، اور نورِ عقل اپنے کثیر ناموں کے ساتھ پیغمبروں، اماموں، اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں میں اس لیے پیدا ہو جاتا ہے کہ تائیدِ الٰہی سے وہ دائم الذّکر ہوا کرتے ہیں، ان کی عبادت خالص اور دل سوز ہوتی ہے، اور وہ ہمہ وقت تحلیلِ نفسی اور محویت و فنائیت کے حال میں ہوتے ہیں، کیونکہ خالقِ اکبر اپنی خداوندی کی چیزیں عالمِ شخصی ہی میں پیدا کرتا رہتا ہے، آپ آیۂ مصباح (۳۵/۲۴) میں بھی درست غور کر کے دیکھیں کہ شعلۂ چراغ کس چیز سے بنتا ہے؟

۹۔ قرآنِ کریم کا فرمانا ہے کہ: آتشِ دوزخ کے ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اور (پہلے ہی سے یہ آگ) کافروں کے لیے تیّار کی گئی ہے (۲۴/۲)۔ یہاں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگ بے شک مجرم ہو سکتے ہیں، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ پتھّروں سے کیا گناہ سرزد ہوا، جس کی وجہ سے یہ جہنّم کے ایندھن ہو گئے؟

جواب: قرآنِ حکیم میں جس طرح قیمتی پتھّروں اور بیش بہا معدنیات کا اشارہ گوہرِ عقل کی طرف جاتا ہے، جو کاملین کا نورِ عقل ہے، اسی طرح عام، بے قیمت اور ناکارہ پتھّروں سے جاہلوں اور نادانوں کی منجمد عقل مراد ہے، پس بحکمِ حدیثِ شریف:

الجاھلُ فی النّار (نادان آتشِ دوزخ میں ہے۔ یعنی جہالت کی آگ میں)، اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ جُہّال (نادان لوگ)، اوران کی برائے نام عقلیں آتشِ نادانی میں گرفتار ہیں، کیونکہ حقیقی بہشت علم ہے، اور اصلی دوزخ جہالت۔

۱۰۔ قرآنی علم کے لیے جس طریقِ کار کو اپنانے کی سخت ضرورت ہے، اس میں سب سے کلیدی کُلیّہ یہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے آفاق وانفس اور قرآنِ کریم کی ہر ہر چیز کے ظاہر و باطن میں علم کے موتیوں کو رکھا ہے (۱۰/۸، ۶/۶، ۴۰/۲) لہٰذا یہ مومنین کا فریضۂ علمی ہے کہ وہ قرآنِ مجید کی ہر شی سے جواہرِ علم وحکمت کو حاصل کریں اور جہاں خداوندِ قدّوس کی تجلّی سے طُور ریزہ ریزہ ہوا ہے (۷/۱۴۳) وہاں اس کے ہر ریزے سے بھی لولوہائے مکنون کو چُن لیں، کیونکہ یہ ریزے بہت بڑی خصوصیت کے حامل ہیں، جبکہ یہ تجلّیٔ حق سے مُتجلی ہوگئے ہیں۔ جس طرح خورشیدِ انور سے ہر ذرّہ چمک اٹھتا ہے، اسی طرح کُوہِ گوہر (کوہِ طور) کے تراشے ہُوئے نگینے پُرنور ہوگئے ہیں، کیونکہ کوئی بھی جلوہ یا دیدار ارادۂ الٰہی کے سوا نہیں، جب ارادۂ حق ہوتا ہے، تو وہ کلمۂ کُن کہلاتا ہے، اور جہاں اللہ نے کُن فرمایا، تو وہاں ایک انتہائی

مکمل چیز پیدا ہوتی ہے، یعنی ایک عقلی کائنات۔

نصیر الدّین نصیر۔ ہونزائی، کراچی

۱۶ رجب ۱۴۱۱ھ

۲ فروری ۱۹۹۱ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

[illegible]